عربی تحریر: سید ابوالحسن علی ندوی
ترجمہ: عبداللہ عباس ندوی

مولانا رحمت اللہ کیرانوی
اور
اُن کی تالیف "اظہارالحق"

میرے لیے یہ بڑی سعادت کی بات ہے کہ چند سطریں ایک ایسے جلیل القدر عالمِ دین کے بارے میں لکھوں جس کو اللہ نے قلعۂ اسلام کا محافظ بنایا تھا، جس کی ذات سے حق و صداقت کو فتح و نصرت حاصل ہوئی، جس کی عالمانہ بصیرت سے شکوک و شبہات کا ازالہ ہوا اور جس نے اسلام کی وکالت و حمایت کا فرض ان نازک حالات میں انجام دیا جس وقت اس طرح کا کام اپنی موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا اور بغیر جان کی بازی لگائے کوئی اس میدان میں ایک قدم آگے بڑھ نہیں سکتا تھا۔

میرا اشارہ حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی طرف ہے۔ (سن پیدائش ۱۲۳۳ھ، وفات ۱۳۰۸ھ، تدفین جنتہ المعلاء، مکہ مکرمہ) جنھوں نے اپنے عیسائی حریف کو مناظرہ میں شکست فاش دی اور ایسے دلائل سے کام لیا جن کی طرف عام طور پر ذہن نہیں منتقل ہوتا تھا، تیرہویں صدی ہجری (انیسویں صدی عیسوی) میں ان کی شہرت بام عروج پر تھی، وہ اپنے فن میں امامت کا درجہ رکھتے تھے، جس کا اعتراف ان کے تمام معاصر علماء کو تھا اور آج تک عالم اسلام کا ہر پڑھا لکھا اور باخبر آدمی ان کے کارنامے سے واقف اور ان کی علمی عظمت اور مجاہدانہ کارنامہ کا قائل ہے۔

مولانا کیرانوی کا وہ عظیم کارنامہ جس نے ان کو علمائے سلف اور مجاہدین امت کے درمیان ممتاز مقام عطا کیا، یہ ہے کہ انھوں نے اسلام کی مدافعت اس طرح کی کہ حق و باطل کو آئینہ کی طرح روشن کر کے دکھا دیا، اسلام کے خلاف غلط بیانیوں، تہمتوں اور شکوک واوہام کا طوفان دشمنوں نے کھڑا کر دیا تھا۔ مولانا نے نہ صرف یہ کہ ان تہمتوں کی حقیقت واضح کر دی بلکہ مسلمانوں کے اندر دین پر یقین و اعتماد کو پختہ سے پختہ تر کر دیا، مسلمانوں کو اپنے دین کی صداقت اور اپنے رسول کی لائی ہدایت پر از سر نو غیر متزلزل ایمان نصیب ہوا۔

حضرت کیرانوی نے یہ خدمت ایسے زمانہ میں انجام دی جو مسلمانوں کے لیے انتہائی نازک اور صبر آزما زمانہ تھا، ان کا حریف وہ تھا جس کو اس زمانہ کے سب سے بڑے فاتح گروہ کی پشت پناہی حاصل تھی، اور وہ بڑی دنیاوی طاقت اس کی سرپرست تھی جس کے قلمرو میں آفتاب نہیں غروب ہوتا تھا، اور جس کے تمدن، تہذیب، تعلیم کی پوری دنیا میں دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔

دوسری طرف مولانا رحمت اللہ کیرانوی، اپنے حریف کے برعکس، ایسی قوم کے فرد تھے جو شکست خوردہ بھی تھی اور شکستہ دل بھی، اور آزمائش کے سنگین ترین وقت سے گزر رہی تھی، اس کو اپنے تابناک ماضی کا بھی ہوش نہیں تھا، اس کے نزدیک اسلاف کے مجاہدانہ کارنامے قصۂ پارینہ تھے جو اس کی سیاسی پسپائی اور اقتصادی بدحالی کا مداوا نہیں بن سکتے تھے، اور اس ذہنی پسپائی کے نتیجہ میں خود دین اسلام کی صداقت و حقانیت پر یقین میں کمزوری بلکہ کھوکھلا پن آچکا تھا، انگریز اس کو اپنا حریف اور حقیقی دشمن سمجھتے تھے اور اچھی طرح جانتے تھے کہ ایشیا اور افریقہ میں کہیں بھی ان کے دین و تہذیب کو کوئی علمی محاذ پر چیلنج کر سکتا ہے تو وہ صرف مسلمان ہیں۔ اس لیے ان کا سارا زور مسلمانوں کی حوصلہ مندیوں کو مٹانے اور ان کی معنوی قوت کمزور کرنے پر صرف ہو رہا تھا، یورپ کے عیسائی مشن پوری آزادی کے ساتھ حکومت وقت کی سرپرستی اور کفالت میں شہر شہر اور گاؤں گاؤں میں اپنے جال بچھائے ہوئے تھے، ہزاروں کی تعداد میں عیسائی مبلغین ملک کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے تھے، سیکڑوں ناخواندہ اور نیم تعلیم یافتہ افراد "اقبال مند فاتح قوم" کا مذہب اختیار کر رہے تھے، اور ان کی ظاہری شان و شوکت، حکومت و قوت، کمزور و ناخواندہ اشخاص کے نزدیک حقانیت کی دلیل تھی۔

عوام اور سادہ لوح لوگ تو الگ رہے، خود علمائے کرام کو عیسائیت کی پوری حقیقت نہیں معلوم تھی، ان کو بائبل کے عہد قدیم، عہد جدید، ان کی شرحوں اور تفسیروں سے واقفیت نہیں تھی، ان کتابوں کی تاریخ اور ان میں جو مختلف زمانوں میں اضافے ہوتے رہے، اور کتر بیونت کی جاتی رہی، بائبل سوسائٹیوں نے جو تصرفات کیے، عیسائی "انجیل مقدس انجمن" نے جس طرح بائبل کو ایڈٹ کیا، ان سب سے سطحی واقفیت بھی پڑھے لکھے مسلمانوں کو نہیں تھی، علمائے کرام کی ذہنی جولانیوں اور علمی تحقیقات کے میدان یا تو فقہی جزئیات تھے یا یونانی منطق و فلسفہ اور علم کلام کی بحثیں، یا کسی درجہ میں احادیث و تفسیر پر حواشی و تعلیقات، عیسائیوں کے ان ناروا حملوں کا مقابلہ کرنے کی کوئی تیاری انہوں نے نہیں کی تھی۔ یہ حملے ان کے لیے ایسے تھے جیسے کسی نے اچانک رات کی تاریکی میں ان کے گھر پر شب خون مارا ہو، ان حملوں کا مقابلہ کرنے کے لیے بڑے دل گردہ کی ضرورت تھی، ہمت و جرأت کے ساتھ کتب سماویہ پر گہری نظر کی ضرورت تھی، اور اس بات کی ضرورت تھی کہ عیسائیت کا مطالعہ وسیع اور گہرا ہو اور عیسائیت کو عیسائیت کے بنیادی اور علمی مراجع سے سمجھا گیا ہو، جو ان پر تنقیدیں کی گئی ہیں اور ان کے تجزیے جس انداز میں کیے گئے ہیں، ان سے واقفیت بھی لازمی تھی۔ ان سب کے

لیے ایک طرف تو بھرپور غیرت ایمانی کی ضرورت تھی، دوسری طرف وسیع مطالعہ اور بصیرت مطلوب تھی، اور خاص مشکل یہ تھی کہ عیسائیت پر تحقیقی کام کرنے والے کے سامنے کوئی روشن شاہراہ نہیں تھی بلکہ ایک سُرنگ تھی جو اندر سے تاریک تھی اور اس میں پیچ در پیچ راستے تھے، کھانچے اور کھائیاں تھیں، یعنی اس کے علمی ماخذ نہ ہونے کے قریب تھے، اور جو تھوڑے بہت تھے وہ یورپین زبانوں میں تھے، ان زبانوں میں زیادہ مانوس زبان انگریزی تھی، اہل ہند نے ابھی اس زبان کو سیکھنا شروع ہی کیا تھا۔ اکثر مسلمان اور خاص طور پر علماء اس سے متنفر تھے کیوں کہ یہ ان ظالموں کی زبان تھی جنھوں نے ان سے حکومت چھینی تھی اور ان کی تذلیل کی تھی، دوسری طرف خود عیسائی مشن بھی نہیں چاہتے تھے کہ ان کی کتاب مقدس پر جو جرح ہوئی ہے اور اس کے جو تجزیے کیے گئے ہیں وہ ہندوستان لائیں، کیوں کہ ان کی مصلحت تبلیغ کا تقاضا یہ تھا کہ لوگوں کو اس سے بے خبر رکھا جائے، لہذا وہ یہاں کی لائبریریوں اور علمی مراکز کو ایسی کتابیں کیوں کر فراہم کر سکتے تھے بلکہ ان کی کوشش تھی کہ اس طرح کی کتابیں اس ملک میں آنے نہ پائیں۔

مولانا رحمت اللہ کیرانوی کے لیے یہ صورت حال پریشان کن ضرور تھی مگر ان کی حمیت و غیرت کا تقاضا یہ تھا کہ وہ اور ان کے وہ رفقاء جو اسلام کی مدافعت اور اسلام پر عائد کردہ تہمتوں کی حقیقت واضح کرنے کے لیے اپنی زندگی وقف کر چکے تھے، اپنے مورچہ پر جم کر مقابلہ کریں، عیسائی مبلغوں نے جو اپنے آپ کو مُبشّر (جنت کا مژدہ سنانے والے) کہلانا پسند کرتے ہیں، مسلمانوں کو دفاعی پوزیشن میں ڈال دیا۔ گ اور تجربہ کار و سیاسی بازی گروں اور امور جنگ کے ماہرین کا خیال ہے کہ مقابلہ کرنے کے لیے بہترین پوزیشن حملہ آور کی ہوتی ہے۔ اپنے حریف کو دفاعی پوزیشن میں ڈال دینا بڑی مہارت کا کام ہے، یہی سیاست عیسائی مبلغوں نے اپنی طاقت کے زور پر اختیار کی تھی۔ مگر مولانا کیرانوی نے اپنی دینی بصیرت سے محسوس فرمایا کہ عیسائیوں سے دو بدو مقابلہ ضروری ہے ورنہ نہ صرف [برّصغیر کے] مسلمان ہمیشہ کے لیے سرنگوں ہو جائیں گے بلکہ عرب ممالک کو بھی انہی خطرات کا سامنا کرنا پڑے گا، لہذا برصغیر میں عیسائیوں سے مقابلہ صرف یہاں کے مسلمانوں کے لیے نہیں بلکہ تمام عرب اور اسلامی ممالک میں مسلمانوں کے لیے ضروری ہے۔ یہاں کے مسلمان جو سیاسی لحاظ سے پسپا ہیں اور اپنی سلطنت کھو کر شکستہ دل ہیں، اگر اس مورچہ پر بھی شکست کھا گئے اور اس زبانی مناظرہ میں اپنے حریف کا کھوکھلا پن ثابت نہ کر سکے تو عیسائیت کا سیلاب پورے عرب اور مشرقی ممالک کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔ اور اگر یہ زخم خوردہ اور شکستہ دل مسلمان اس مناظرہ سے سر بلند و سرخ رو ہو کر نکلتے ہیں تو یہ سیلابِ بلا نہ صرف برّصغیر سے بلکہ تمام مشرقی مسلم ممالک سے رُک جائے گا۔

مولانا کیرانوی نے اللہ کا نام لے کر اس مہم کو سر کرنے کا عزم کر لیا، اور یہ طے کر لیا کہ عیسائیت کو عیسائیت کے اصلی مراجع و ماخذ سے سمجھیں گے، ان کا تجزیہ کر کے تحقیق کریں گے، ان

کے اس عزم کو اور پختہ اس بات نے کر دیا کہ اس زمانہ میں ایک مشہور عیسائی پادری، عیسائیت کا مبلغ اعظم فنڈر (Pfander) ہندوستان آیا اور علمائے دین کو للکارا، اور علانیہ مناظرہ کی دعوت دینے لگا، اور ملک کے ہر صوبہ اور ہر ضلع میں دورے کرنے لگا، بڑے بڑے جلسے کرتا اور ان میں تقریر کرتا، اپنے مذہب کی پیروی کی دعوت دیتا تھا، حضرت کیرانوی کو ایک اور مشکل کا سامنا تھا، وہ انگریزی زبان نہیں جانتے تھے، اور دوسری زبانوں کے سیکھنے کی ایک خاص عمر ہوتی ہے اس سے وہ تجاوز کر چکے تھے، زندگی بھر ان کا مشغلہ علوم دینیہ پڑھنا پڑھانا رہا، قرآن و حدیث سے سابقہ رہا یا علوم عقلیہ سے۔ دوسری طرف فنڈر صرف اپنی ہی زبان جانتا تھا، تھوڑی بہت عربی فارسی زبان سمجھ لیتا تھا، اب ضرورت تھی کہ کوئی ایسا شخص ہوتا جو ان دونوں کے درمیان واسطہ بنتا، اور ایسے شخص کی ضرورت تھی جو دوسری یورپین زبانوں کے مراجع سے واقف ہوتا اور عیسائی وثائق کو پڑھ کر ترجمہ کر سکتا۔

اللہ کی مصلحت و حکمت نے حضرت مولانا کیرانوی کے لیے ایک ایسے شخص کو سامنے لاکر کھڑا کر دیا جس کی ضرورت تھی۔ اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، "ولله جنود السمٰوٰت والارض" (یعنی اللہ کے کارندے سپاہی زمین و آسمان میں پھیلے ہوئے ہیں) وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے حضرت کیرانوی کی مدد کے لیے غیب سے کھڑا کیا وہ ڈاکٹر وزیر خان اکبر آبادی تھے، جو ۱۸۳۲ء میں لندن جا کر ڈاکٹری کی اعلیٰ سند حاصل کر چکے تھے اور انگریزی کے علاوہ یونانی زبان بھی پڑھ چکے تھے۔ انہوں نے عیسائیت کا اچھا مطالعہ کیا تھا اور اس کے مراجع خرید لیے تھے اور یہ کتابیں اپنے ساتھ ہندوستان لے آئے تھے، حضرت کیرانوی کے لیے یہ قوت بازو اور بہترین معاون ثابت ہوئے، اور وقت کا تقاضا جس جہاد کے لیے تھا اس میں وہ مولانا کے شریک و مددگار بن گئے۔

حضرت کیرانوی نے اس طرح پوری تیاری کر لی، اور معرکۂ حق و باطل کے لیے کمربستہ ہو گئے۔ دوسری طرف فنڈر کی جولانیاں بھی شباب پر تھیں، [وہ] گ جرأت کے ساتھ اسلام پر ناروا حملے کر رہا تھا۔ حضرت کیرانوی نے محسوس کیا کہ سب سے پہلے اس شخص کا دہانہ توڑنا چاہیے اور اس کے ساتھ ہی دوسرے عیسائی مبلغوں کو سبق سکھا دیے جانے کی ضرورت ہے، اس طرح مسلمانوں کے اندر سے احساس کمتری کا ازالہ ہوگا اور ان کو اپنے دین کی حقانیت کا یقین حاصل ہوگا۔

حضرت کیرانوی نے محسوس فرمایا کہ ضرورت اس بات کی ہے کہ فنڈر سے مناظرہ کیا جائے، اور اعلانیہ جلسے میں یہ مناظرہ ہو جس میں مسلمان اور اہل وطن، یورپین حکام، عیسائی اور عیسائیت قبول کرنے والے ہندوستانی سب موجود ہوں، فنڈر کو اپنی کتاب "میزان الحق" پر بڑا ناز تھا اور اکثر اسی سے وہ استدلال کرتا تھا، اور اس کو وہم تھا کہ مسلمان اور ان کے علماء ان دلائل کا رد نہیں کر سکتے۔ مولانا کیرانوی نے اس پادری (فنڈر) سے مناظرہ کرنے کا تہیہ کر لیا، اس سے خط و کتابت کی اور دعوت دی کہ وہ سب کے سامنے آئے، جس میں مسلمان اور غیر مسلم سب ہوں۔ جب پادری فنڈر پر بہت زور پڑا، اور اس

نے دیکھ لیا، کہ اب بغیر مناظرہ کیے کوئی چارہ کار نہیں ہے تو اس دعوت کو چار و ناچار قبول ہی کر لیا، اگر اس کو اس مناظرہ کے نتائج کا اندازہ ہوتا تو شاید وہ کبھی سامنے آنا قبول نہ کرتا، بہرحال ۱۱ رجب ۱۲۷۰ھ مطابق ۱۰ اپریل ۱۸۵۴ء اکبر آباد (آگرہ) میں یہ مناظرہ طے پایا۔ یہ مقام عیسائیت کے فروغ کا مرکز تھا اور اس کے ایک محلہ کا نام "محلۂ عبدالمسیح" ہی پڑ گیا تھا کیوں کہ وہاں عیسائیت قبول کرنے والے ہندوستانی کافی تعداد میں تھے۔

متعینہ تاریخ میں جلسہ شروع ہوا۔ ضلع کے حکام، عدالت کے جج، اور انگریزی چھاؤنی کے بہت سے عہدہ دار موجود تھے، پادری فنڈر اور پادری ولیم کلین (William Clean) اور شہر کے اعیان و سربرآوردہ اشخاص، ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی سب ہی موجود تھے۔ ڈاکٹر محمد وزیر خان حضرت کیرانوی کے مترجم و معاون کی حیثیت سے شریک تھے، مناظرہ کے پانچ موضوع تھے۔

۱۔ عہد نامۂ قدیم (اولڈ ٹیسٹامنٹ) اور عہد نامۂ جدید (نیو ٹیسٹامنٹ) میں تحریف ہوئی۔

۲۔ بائبل میں کچھ احکام منسوخ قرار دیے گئے۔

۳۔ عقیدۂ تثلیث

۴۔ محمد ﷺ کی نبوّت

۵۔ قرآن کی صداقت و صحت

اس مناظرہ میں شرط یہ تھی کہ اگر مولانا کیرانوی نے اس مناظرہ میں بازی جیت لی تو فنڈر اسلام قبول کر لے گا، اور اگر اس کے برعکس ہوا تو مولانا کیرانوی عیسائیت کو تسلیم کر لیں گے۔ اس شرط کی وجہ سے اس مناظرہ کی اہمیت اور بھی بڑھ گئی تھی۔ پہلے روز کا مناظرہ ختم ہوا تو ہر جگہ اس کا چرچا ہونے لگا، ہر مجلس میں یہی موضوع تھا جس پر تبصرے ہو رہے تھے، کیوں کہ مناظرہ کا نتیجہ یہ نکلا کہ پادری فنڈر نے یہ اعتراف کر لیا کہ آٹھ مقامات میں بائبل کے اندر تحریف موجود ہے۔

دوسرے روز جلسۂ عام میں عیسائی، سکھ، ہندو اور مسلمانوں کی بڑی تعداد مناظرہ میں شریک ہونے کے لیے آئی۔ فنڈر نے کہا کہ انجیل میں جو غلطیاں ہیں، وہ کتابت کی غلطیاں ہیں، لیکن وہ عبارتیں جن میں عقیدۂ تثلیث، حضرت عیسیٰ کی الوہیت، فداء اور شفاعت کا ذکر ہے، وہ تحریف سے محفوظ ہیں۔ پادری فنڈر کے ترکش کا یہ آخری تیر تھا جس کو اس نے بڑے اعتماد کے ساتھ استعمال کیا۔ حضرت کیرانوی نے جواب دیا۔

"جب تم انجیل میں تحریف کو تسلیم کرتے ہو تو پوری کتاب مشکوک ہو گئی۔"

اس پر بحث ختم ہوئی اور پادری فنڈر تیسرے روز مناظرہ کے لیے آیا ہی نہیں۔ اس کے بھاگ کھڑے ہونے سے واضح ہو گیا کہ وہ مناظرہ کے میدان میں شکست کھا گیا، اور مسلمانوں کی یہ بڑی کامیابی تھی جس سے ایمانی قوت میں اضافہ ہوا اور پادریوں کا منہ توڑ جواب دینے کی صلاحیت عام مسلمانوں نے

اپنے اندر محسوس کی۔ عیسائیت کے عقلی و علمی دبدبہ اور بلند بانگ دعووں اور اسلام پر تہمتوں کی حقیقت سب کے سمجھ آ گئی۔

اس مناظرہ کے دوسال بعد ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کا واقعہ پیش آیا جو ایک طرح سے مسلمانوں کی آخری کوشش تھی کہ انگریزوں کے بچھائے ہوئے جال سے نکل آئیں، لیکن اس جنگ میں مسلمان ناکام رہے، اور ان کی ناکامی کے بعد انگریز غضبناک، طاقت ور اور انتقام کے جذبہ سے بپھرے ہوئے دشمن کی طرح پیش آئے، اور وہ جانتے تھے کہ اس جنگ کی قیادت مسلمان کر رہے تھے اور انہی کا یہ پلان تھا اور وہی اس کی ہمّت کر سکتے تھے، اور دوسرے ہم وطن ان کے ساتھ ہو لیے تھے، اس لیے مسلمانوں کے علماء ان کے جذبۂ انتقام اور غصہ کا سب سے زیادہ شکار تھے، اور آئندہ بھی انگریز کو خطرہ انہی مسلمانوں اور ان کے علماء سے تھا، عوام میں انہی کی مقبولیت تھی لہٰذا انگریزوں نے ایک ایک عالم کو پکڑ پکڑ کر قتل کرنا شروع کیا، ان کو پھانسی دیتے، سولی پر چڑھاتے، ان کی گردنیں درختوں سے لٹکاتے اور طرح طرح کی تذلیل وإہانت کا سلوک کرتے، اور تلاش کر کے ایسے افراد کو ڈھونڈتے جن کی مسلمانوں کے درمیان عزت و توقیر ہوتی، اور لوگ جن کی بات سنتے۔ انگریزوں کو جن افراد کی تلاش تھی ان میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی صفِ اول کے لوگوں میں تھے، کیوں کہ مذہبی مناظرہ میں وہ ان کو شکست دے چکے تھے اور ان کے خلاف جو جہاد کیا گیا، اس میں شریک تھے۔ مصلحت وقت کا تقاضا تھا کہ مولانا کچھ عرصہ کے لیے ایک گاؤں میں روپوش ہو جائیں، جب انگریز ان کی تلاش میں اس گاؤں میں بھی پہنچ گئے تو مولانا نے کلہاڑی لے کر کسانوں کے بھیس میں کھیت میں کٹائی کا کام شروع کر دیا، اور اس طرح اللہ نے ان کو بچالیا اور انہوں نے کسی طرح سورت کی بندرگاہ سے روانہ ہو کر بلادِ مقدّسہ کی طرف ہجرت کر لی، یہ ۱۸۶۲ء کا واقعہ ہے یعنی جنگِ آزادی کے پانچ سال بعد، ان کی جائدادیں سب کی سب ضبط کر لی گئیں جو خاصی بڑی تھیں، اور ان کو نیلام کر دیا گیا۔ یہ زمانہ وہ تھا جب مسلمانوں کے خلیفہ سلطان عبدالعزیز عثمانی تھے، اور مکّہ مکرمہ میں ان کے گورنر شریف عبداللہ بن عون تھے، جب ان کی علمی منزلت کا پتہ چلا تو حرم شریف میں ان کو درس دینے کی اجازت مل گئی، اور اس وقت کے سربرآوردہ علماء سے ان کے تعلقات قائم ہوئے جن میں مکّہ مکرمہ کے سب سے بڑے عالم شیخ احمد زینی دحلان تھے جو مولانا کیرانوی کے خاص احباب میں تھے اور انہوں نے ہی مولانا کیرانوی کو شریف مکّہ سے ملایا اور علمائے مکہ سے ان کا تعارف کرایا۔

ایک اتفاقی بات پیش آئی کہ پادری فنڈر ایک عرصہ تک یورپ کے مختلف ملکوں جرمنی، سوئزرلینڈ، انگلینڈ میں رہا۔ اس کے بعد اس کو لندن کی تبلیغی انجمن نے قسطنطنیہ بھیجا کہ مسلمانوں کے مرکزی مقام، خلافت کے پایۂ تخت میں جا کر عیسائی تبلیغ کی مہم چلائے۔ اس نے سلطان عبدالعزیز سے ملاقات کی اور ہندوستان کے اس مناظرہ کا قصہ بیان کیا اور کہا کہ عیسائیت کو اسلام پر فتح حاصل ہو گئی،

سلطان عبدالعزیز خلیفتہ المسلمین تھے۔ ان کو اس بیان سے سخت حیرت ہوئی، انہوں نے شریف مکہ کو لکھا کہ ہندوستان سے آنے والے حاجیوں سے معلوم کریں کہ اصل واقعہ کیا ہے اور کس طرح پیش آیا؟ اور اس مناظرہ اور انگریزوں کے خلاف مسلمانوں کی بغاوت (۱۸۵۷ء) کی صحیح نوعیت سے مطلع کریں۔ شریف مکہ کو شیخ العلماء سیّد احمد دحلان سے پورا واقعہ معلوم ہو چکا تھا، انہوں نے دارالخلافہ کو مطلع کیا کہ اصل واقعہ کیا ہے اور یہ کہ اس مناظرہ کے "بطل" (ہیرو) جو عالم دین ہیں وہ حسن اتفاق سے مکّہ مکرمہ میں موجود ہیں، سلطان عبدالعزیز نے حضرت مولانا کیرانوی کو دارالخلافہ آنے کی دعوت دی، چنانچہ مولانا وہاں (۱۲۸۰ھ مطابق ۱۸۶۴ء میں) تشریف لے گئے۔ جب پادری فنڈر کو معلوم ہوا کہ شیخ (مولانا کیرانوی) قسطنطنیہ آرہے ہیں اسی وقت وہاں سے فرار ہو گیا۔ سلطان عبدالعزیز نے وہاں کے علماء کو جمع کیا، جس میں وزراء اور اعیان ملک شریک تھے، مولانا کیرانوی سے اس مناظرہ کا حال سُنا کہ کس طرح اسلام کو انہوں نے عیسائیت پر فتح یاب کیا، پھر ۱۸۵۷ء کی بغاوت کی داستان سنی، سلطان نے اسی وقت عیسائی مبلّغوں پر پابندی لگا دی اور اس سلسلہ میں سخت قوانین نافذ کیے۔ سلطان اکثر و بیشتر نماز عشاء کے بعد مولانا کیرانوی سے ملا کرتا اور آپ کے نصائح و ارشادات سُنا کرتا۔ اس مجلس میں حکومت کے صدر اعظم خیرالدین پاشا تیونسی بھی شریک رہتے، وہاں کے شیخ الاسلام اور بڑے سربرآوردہ علماء بھی اس مجلس میں آیا کرتے تھے۔

مولانا سے جب صدر اعظم اور خلیفہ عبدالعزیز نے مناظرہ سنا اور ان کی علمی عظمت، وسعت مطالعہ اور مسیحیت پر ان کی ناقدانہ بصیرت کا اندازہ کیا تو یہ درخواست کی کہ وہ عربی زبان میں ایک مبسوط کتاب لکھ دیں جس میں ان پانچوں عناوین پر سیر حاصل بحث ہو جو مناظرہ کے لیے موضوع بحث قرار پائے تھے۔ مولانا نے اس تجویز کو قبول فرمایا اور "اظہار الحق" کی تالیف وہیں قسطنطنیہ میں شروع کر دی۔ رجب ۱۲۸۰ھ میں یہ تالیف شروع کی اور ذی الحجہ میں مکمل کر لی، یعنی صرف چھ ماہ میں یہ ضخیم دستاویز تیار ہو گئی، سلطان کی خدمت میں یہ ہدیہ پیش کیا اور مقدمہ میں تحریر فرمایا کہ یہ کتاب شیخ العلماء علامہ زینی دحلان کی تجویز پر لکھی ہے۔ صدر اعظم خیرالدین پاشا نے مولانا سے عرض کیا کہ آپ نے تو یہ کام امیر المومنین کی فرمائش پر کیا ہے، مناسب یہ تھا کہ امیر المومنین کا نام آپ لکھتے، خلیفتہ المسلمین کا اکرام اور حق و انصاف سے قریب تر بات یہی ہے۔ مولانا نے فرمایا یہ خدمت صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے میں نے انجام دی ہے، اس میں کوئی دنیاوی غرض شامل نہیں ہے اور حقیقت یہ ہے کہ شیخ العلماء دحلان نے مجھ سے پہلے اس کی فرمائش کی تھی اور کہا تھا کہ اس مناظرہ کی روداد قلم بند کروں، اور مکّہ مکرمہ میں میں نے اس کتاب کے لیے مواد جمع کرنا شروع کر دیا تھا اور شیخ دحلان ہی وہ بزرگ ہیں جنہوں نے مجھے شریف مکّہ سے متعارف کرایا اور آج دربارِ خلافت تک میری رسائی کا سبب وہی ہیں، لہٰذا ان کے فضل و کرم کا اعتراف ضروری ہے۔

اس طرح یہ کتاب معرض وجود میں آئی، اس کی اہم خصوصیات یہ ہیں۔

۱۔ مؤلف رحمتہ اللہ علیہ نے دفاعی موقف کے بجائے حملہ آور ہونے کا موقف اختیار کیا ہے، اور یہ موقف بہت ہی کارآمد ہوتا ہے کہ حریف کو دفاعی پوزیشن میں ڈال دیا جائے، اور اس کو مجبور کیا جائے کہ وہ ملزم کے کٹہرے میں کھڑا ہو، اور وہ اپنی صفائی پیش کرے، پہلے علماء نے اس بات کو محسوس نہیں کیا تھا اور تورات و انجیل اور قرآن کو ہم پلہ سمجھ کر گفتگو کرتے تھے، اس طرح ان قدیم صحیفوں کو وہ اہمیت حاصل ہو جاتی ہے جس کے حقیقتاً وہ مستحق نہ تھے، حالانکہ خود حاملین تورات و انجیل یہ تسلیم نہیں کرتے کہ قرآن کی طرح بغیر کسی تغیر و تبدل کے آسمانی صحیفوں کا امتیاز ان میں پایا جاتا ہے۔

شیخ الاسلام تقی الدین احمد بن تیمیہ نے بہت مناسب قدم اٹھایا تھا کہ اپنی کتاب "الجواب الصحیح لمن بدّل دین المسیح" میں جارحانہ موقف اختیار کیا تھا، کیوں کہ اہل تحقیق علماء کے نزدیک تورات و انجیل کی حیثیت دوسرے تیسرے درجہ کی احادیث و سیرت کی کتابوں سے زیادہ نہیں ہے، اور نہ ان صحیفوں کی ثابت شدہ سند ہے۔ ان صحیفوں کو حضرت عیسیٰ کے آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد مختلف مرحلوں میں مرتب کیا گیا ہے۔ ان میں کچھ حضرت مسیح کے اقوال ہیں اور کچھ ان کے معجزات کا بیان ہے اور کچھ ان کے اخلاق و اعمال کا ذکر ہے۔ مولانا رحمت اللہ کیرانوی نے بہت گہرائی کے ساتھ ان صحیفوں کا مطالعہ کیا تھا اور ان کی تہ کو پہنچ گئے تھے، یہی وجہ ہے کہ ان کے اندازِ گفتگو سے مناظرہ کی نوعیت بدل گئی اور حریفوں کو جو پہلے بالادستی حاصل ہو جایا کرتی تھی، وہ ختم ہو گئی۔

۲۔ اس کتاب کی دوسری اہم خصوصیت یہ ہے مولانا کیرانوی نے زیادہ جزئیات سے بحث نہیں کی ہے، کیوں کہ اس میں بحث و مناظرہ اور چون و چرا کی گنجائش رہتی ہے۔ مولانا نے صاف نظر آنے والی اور آسانی سے سمجھ میں آنے والی باتیں ذکر کی ہیں، جن میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں ہو سکتی۔ انہوں نے بائبل میں ایک دوسرے سے متضاد باتوں کو نکال دکھایا ہے کہ کوئی الہامی کتاب جس میں تحریف نہیں ہوئی ہو، اس طرح متضاد باتوں کا مجموعہ نہیں ہو سکتی، اس طرح کی ایک سو آٹھ کھلی ہوئی غلطیوں کو انہوں نے دکھایا ہے۔ یہ باتیں ایسی ہیں جیسے ریاضی کے فارمولے ہوتے ہیں، دو اور دو چار کی طرح جس کے نتائج سب کے سامنے ہیں، دوسرے کھلی ہوئی تحریف کے نمونے ہیں جہاں الفاظ کے اضافے ہیں، کہیں کمی ہے، کہیں تشریحی جملے ہیں۔ اس طرح یہ کتاب ایک آسمانی صحیفہ کا درجہ حاصل ہی نہیں کر سکتی۔

۳۔ عیسائیوں نے انجیل کو وحی منزّل ثابت کرنے کے لیے جو عبارت آرائی کی ہے اور مغالطے میں ڈالنے کی کوششیں کی ہیں، ان کو نقل کرنے کے بعد انتہائی آسان اور قابلِ قبول اسلوب بیان میں اُن کا رد کیا ہے۔

۴۔ حضرت کیرانوی نے عقیدۂ تثلیث کو عقل کی کسوٹی پر پرکھ کر اور اس کا علمی تجزیہ کر کے دکھایا ہے

کہ کوئی بھی صاحبِ عقل وذوق اس کو تسلیم نہیں کر سکتا۔

۵۔ حضرت کیرانوی نے صرف یہی نہیں کیا کہ عیسائیت کے عقائد اور ان کے صحیفوں کی حقیقت کھول کر دکھا دی بلکہ قرآن کریم پر جو ان کے اعتراضات رہے ہیں، اس کا بھی تشفی بخش جواب دیا اور دکھایا کہ قرآن کریم کے کتاب اللہ ہونے میں کوئی شک کی گنجائش نہیں، اس سلسلہ میں عیسائیوں کے پیدا کردہ شبہات کا جواب دیا اور اسی سلسلہ میں رسول ﷺ کی سیرت مقدسہ اور معجزات کو بیان کیا اور آپ ﷺ کے حق میں انبیائے سابقین نے جو بشارتیں دی ہیں ان میں سے اٹھارہ بشارتوں کا ذکر کیا۔

ان اسباب کی بنا پر کتاب کی اہمیت بڑھ گئی اور ہر جگہ ہاتھوں ہاتھ لی جانے لگی، ایک ترکی عالم نے اس کا ترجمہ کیا اور اس کا نام، "ابرازالحق" رکھا۔ ایک صاحبِ قلم نے اس کا انگریزی ترجمہ کیا جو ہند و پاکستان کے کتب خانوں میں موجود ہے۔

مولوی غلام محمد راندھیری نے اس کا گجراتی زبان میں ترجمہ کیا تھا، اردو میں مولانا اکبر علی سہارن پوری مرحوم نے تین جلدوں میں اس کا ترجمہ کیا تھا، جس کا نام "بائبل سے قرآن تک" ہے۔ اس پر مولانا محمد تقی عثمانی نے مفصل مقدمہ لکھا ہے جو فاضلانہ اور محققانہ ہے اور اس لائق ہے کہ علیٰحدہ سے شائع ہو۔

عیسائیوں کے پادریوں کا یہ معمول رہا کہ جہاں یہ کتاب بازار میں آئی اس کے تمام نسخے خرید کر جلا دیے تاکہ لوگ پڑھ نہ سکیں، اس لیے بار بار اس کی طباعت ہوتی رہی، مراکش کی وزارتِ اوقاف وامور مذہبی نے اس کو بہت آب وتاب سے شائع کیا ہے۔

شیخ عبدالرحمن بک باجہ جی زادہ نے اپنی کتاب "الفارق بین الخالق والمخلوق" میں اس کتاب کا بلند الفاظ میں اعتراف کیا ہے۔ علامہ رشید رضا نے "انجیل برناباس" کے عربی ترجمہ کے مقدمہ میں اس کا ذکر کیا ہے۔

عیسائیوں کے حلقے میں اس کتاب کے بارے میں کیا تاثر ہے وہ صرف ایک جملہ سے واضح ہو جاتا ہے، جو برطانیہ کے ایک اہم اخبار نے تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا،

"اگر لوگ اس کتاب کو پڑھتے رہے تو دنیا میں عیسائیت کو کبھی فروغ نہیں ہوسکتا۔"

[بہ شکریہ "ذکر وفکر" - دہلی]

اضافہ بہ سلسلہ تراجم "اظہارالحق"

مولانا ابوالحسن علی ندوی نے اپنے مقالے کے آخر میں "اظہارالحق" کے تراجم کا سرسری انداز

میں ذکر کیا ہے۔ امداد صابری مرحوم کے الفاظ میں [1] "یورپ کی متعدد زبانوں میں حکومت عثمانیہ کی طرف سے اس کے ترجمے شائع کیے گئے جن کو پادریوں نے خاص اہتمام اور کوششوں سے تلف کیا۔" یورپ کی صرف دو زبانوں - فرانسیسی اور انگریزی - میں "اظہار الحق" کے تراجم ملتے ہیں مگر ان تراجم کی اشاعت میں خلافت عثمانیہ کا بظاہر کوئی عمل دخل نظر نہیں آتا۔ فرانسیسی ترجمہ تیونس کے ایک طالب نے کیا تھا، جس کا نام مطبوعہ نسخوں میں درج نہیں، البتہ اس ترجمے پر نظرِ ثانی کا فریضہ پی-وی-کارلٹی نے انجام دیا تھا۔ کارلٹی لندن یونیورسٹی میں عربی زبان کا استاد تھا اور ۱۸۶۰ء سے ۱۸۷۷ء کے درمیان تیونس میں مقیم رہا تھا۔ اس نے اپنا تعارف آزاد خیال (Free Thinker) کی حیثیت سے کرایا ہے۔ وہ عقلیت کے حوالے سے اسلام کو مسیحیت پر ترجیح دیتا تھا اور "اظہار الحق" کے ترجمے کی اشاعت سے اس نے اپنے ذوق کو تسکین دی۔ یہ ترجمہ دو جلدوں میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی زندگی میں ۱۸۸۰ء میں پیرس سے شائع ہوا تھا۔ کارلٹی نے ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی رائے میں [2] ترجمہ و تصحیح کے کام میں "کافی محنت اور دیانت داری" سے کام لیا ہے۔

"اظہار الحق" کو گجراتی اور انگریزی میں منتقل کرنے کا سہرا راندیر (ضلع سورت - گجرات) کے معروف عالم مولانا غلام محمد راندیری (م ۱۹۱۶ء) کے سر ہے۔ مولانا راندیری نے عربی، فارسی اور اردو کی متعدد کتابوں کو اپنی زبان کا جامہ پہنایا تھا۔ مطالعۂ مذاہب سے انہیں خصوصی دلچسپی تھی۔ [3] "مخالفینِ اسلام سے مقابلہ و مناظرہ کرنے کا آپ کو خاص شوق تھا اور اس میں آپ کو ایک خاص مہارت ہو گئی تھی، بڑے بڑے پادری اور پنڈت وغیرہ آپ کے سامنے آتے ہوئے گھبراتے اور اکثر اوقات آپ کا نام سن کر دم چرا جاتے تھے۔" اسی دلچسپی کا نتیجہ "اظہار الحق" کے تراجم تھے۔ گجراتی ترجمہ ۱۹۱۸ء میں سورت سے شائع ہوا تھا۔ انگریزی ترجمہ اس کے بعد منصۂ شہود پر آیا۔

انگریزی ترجمے کے بارے میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی کے سوانح نگار مولانا محمد سلیم کیرانوی نے لکھا ہے کہ [4]

> "ٹائمز آف لندن" نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ "لوگ اگر اس کتاب کو پڑھتے رہیں گے تو دنیا میں مذہبِ عیسوی کی ترقی بند ہو جائے گی۔"

اور یہ بیان مسلسل دہرایا جاتا رہا ہے۔ [5] جب ۱۹۷۱ء میں "اظہار الحق" کا دوسرا اردو ترجمہ [6] "بائبل سے قرآن تک" شائع ہوا تو ڈاکٹر حمید اللہ نے اس بیان کی تائید و تصدیق کی کوشش کی۔ ان کے الفاظ میں [7]

> میں نے ۱۹۷۲ء میں لندن ٹائمز کے ایڈیٹر ہی کو ایک خط لکھ کر پوچھا کہ آیا اظہار الحق پر کوئی تنقید کبھی اس کے ہاں چھپی ہے؟ اور میں نے احتیاطاً لکھا کہ فرانسیسی ترجمہ ۱۸۸۰ء میں چھپا ہے۔ ممکن ہے کہ انگریزی ترجمہ بھی اس کے لگ بھگ زمانے میں چھپا ہو، یا یہ بھی ممکن ہے

کہ فرانسیسی ترجمے ہی پر لنڈن ٹائمز میں تنقید چھپی ہو۔ جواب آیا کہ اس کے ہاں ہر سہ ماہی اعداد جریدہ کے انڈکس مرتب ہوتے ہیں لیکن تلاش پر نہ ان میں، اور نہ دیگر فہارس کتب میں ایسی کتاب کا کوئی ذکر ملا۔ میں نے مکرر لکھا کہ انگریزی نہیں، فرانسیسی کتاب کی تنقید ہوئی ہو گی۔ دوسرا جواب بھی نفی ہی میں آیا۔ کسی روزنامے کے تقریباً سو سال پہلے کے نمبروں میں، جب تک ٹھیک تاریخ بھی معلوم نہ ہو، کسی چند سطری تحریر کا پتہ چلانا آسان نہیں۔

ڈاکٹر حمیداللہ نے آخر میں، اس خواہش کا اظہار کیا کہ، "لندن ٹائمز" کے تبصرے کی تلاش کے لیے "دیدہ ریزی" بہرحال ضروری ہے۔ مولانا غلام محمد راندیری کا انگریزی ترجمہ زبان و بیان کے اعتبار سے خاصا پرانا ہے اور بہت عمدہ بھی نہیں۔ اس لیے ایک جدید ترجمے کی ضروری تھی۔ مولانا محمد ولی رازی نے اس کا بیڑہ اٹھایا ہے اور لندن سے اس کے چند حصے شائع ہو چکے ہیں۔

۱۔ محمد سلیم، ایک مجاہد معمار، مکّہ معظّمہ: مرکزی دفتر دارالعلوم حرم صولتیہ (۱۹۵۲ء)، ص ۲۶، امداد صابری، آثارِ رحمت، دہلی: یونین پرنٹنگ پریس (۱۹۶۷ء)، ص ۳۸۳

۲۔ ڈاکٹر محمد حمیداللہ، اظہارالحق اور اس کا اردو ترجمہ، ماہنامہ "البلاغ" (کراچی)، مئی ۱۹۷۲ء، ص ۲۳

۳۔ مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی، گجرات کے چند برگزیدہ اور باکمال علمائے کرام، ماہنامہ "البلاغ" (بمبئی)، دسمبر ۱۹۵۴ء، جنوری و فروری ۱۹۵۵ء، ص ۱۴۹

۴۔ محمد سلیم، ایک مجاہد معمار، حوالہ مذکورہ، ص ۲۶

۵۔ مثال کے طور پر دیکھیے: امداد صابری، حوالہ مذکورہ، ص ۳۸۳، محمد انیس الرحمٰن قاسمی، مولانا رحمت اللہ کیرانوی اور ردِ مسیحیت (مقالہ)، زبانِ حال: دارالعلوم حرم مدرسہ صولتیہ مکّہ معظّمہ، کراچی: ٹیکنیکل پرنٹرز (۱۹۸۷ء)، ص ۱۴

۶۔ "اظہارالحق" کا پہلا اردو ترجمہ مولوی سلیم اللہ نے کیا تھا جو چھپ نہ سکا۔

۷۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، حوالہ مذکورہ، ص ۲۱